

رسائل و مسائل

بندوق کے شکار کی حلت و حرمت

سوال :- آپ نے تفہیم القرآن میں بکیر پڑھ کر چھوڑی ہوئی بندوق کے مرے ہوئے شکار کو حلال لکھ کر ایک نئی بات کا اختراع کیا ہے جس پر مندرجہ ذیل سوالات اٹھ رہے ہیں مہربانی فرما کر جواب دے کر مشکور فرمادیں

۱۔ چاروں امام متفق ہیں کہ بندوق سے مرا ہوا شکار بوجہ چوٹ سے مرے نہ جانا جائز اور حرام ہے پھر آپ نے کن دلائل کی بنا پر اس کو جائز لکھا ہے۔

۲۔ بندوق کی گولی میں دھار نہیں ہوتی بلکہ اس کی ضرب شدید سے جانور مرتا ہے۔ کچھ پرعام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ اس کی طاقت اتنے پونڈ ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اس کی دھار اتنی تیز ہے ضرب سے مرا ہوا شکار قطعی ناجائز ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

۳۔ تفسیر حقانی میں لکھا ہے کہ قاضی شوکانی نے بندوق کے مارے ہوئے کے حرام ہونے میں اختلاف کیا ہے لیکن قاضی صاحب کا اختلاف حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مجرد احادیث بیان کرنے والا ہونے کے علاوہ اہل تشیع کی طرف میلان رکھتا ہے۔

۴۔ اسی مسئلہ کو فروع کنا عوام کو دھوکا دینا ہے۔ کیا حرام کو حلال کرنا بھی فروع ہی رہے گا۔

جواب: سب سے پہلے میں آپ کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو آپ کے

سوال نمبر ۳ میں پائی جاتی ہے۔ آپ کو پوچھتے ہیں کیا حرام کو حلال کرنا بھی فروع ہی رہے گا؟ اس سلسلہ میں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک حرام و حلال ثبوت ہے جو نص صریح میں حلال یا حرام قرار دیا گیا ہو، اور وہ اصولی چیز جس میں رد و بدل کرنا موجب کفر ہو جاتا ہے، دوسرا حلال و حرام وہ ہے جو نصوص

کی دلائلوں یا اشارات یا اقتضات سے استنباط کیا جائے۔ یہ فریضی چیز ہے اور اس میں ہمیشہ سے علماء و فقہائے امت حتیٰ کہ صحابہ اور تابعین کے درمیان بھی اختلافات رہے ہیں۔ ایک ہی چیز کو کسی نے حلال قرار دیا ہے اور کسی نے حرام، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس نوع کی استنباطی تحلیل و تحریم پر مباحثہ و محاجہ سے آگے بڑھ کر کسی نے دوسرے کو یہ الزام دیا ہو کہ تمہارا دین بدل گیا ہے یا تم خدا کے حرام کیے ہوئے کو حلال کر رہے ہو۔ افسوس یہ ہے کہ ہندوستان میں بلکہ عام مسلمانوں میں ایک مدت سے شرعی مسائل کی آزادی تحقیق کا سلسلہ بند ہے اور ہر گروہ کسی ایک مذہب فقہی کی پابندی میں اس قدر جامد ہو گیا ہے کہ اپنے ہی مذہب خاص کو اصل شریعت سمجھنے لگا ہے، اس لیے جب لوگوں کے سامنے ان کے انوس مسلک سے ہٹ کر کوئی تحقیق آتی ہے تو وہ اس پر اس طرح ناک بھوں چڑھتے ہیں کہ گویا دین میں کوئی تحریمت کی گئی ہے، حالانکہ سلف میں جبکہ آزادی تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا تھا علماء کے درمیان حلال و حرام اور فرض و غیر فرض تک کے اختلافات ہو جاتے تھے اور ان کو نہ صرف برداشت کیا جاتا تھا بلکہ ہر گروہ اپنے نزدیک جو حکم شرعی سمجھتا تھا اس کی خود پابندی کرنے کے ساتھ دوسروں کو بھی یہ حق دیتا تھا کہ ان کے نزدیک جو حکم شرعی ہو اس کی وہ پابندی کریں۔ اسی کھلے پینے کے سلسلے میں علماء سلف کے درمیان جو اختلافات ہوئے ہیں ان کی چند مثالیں میں یہاں نقل کرتا ہوں اور آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ ان حضرات میں سے کس کو آپ حرام کے حلال یا حلال کے حرام کر دینے کا الزام دے سکتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ درندوں کے گوشت اور اس خون کے استعمال میں جو رگوں کے اوپر کے حصہ میں رہ جاتا ہے، مضائقہ نہیں سمجھتی تھیں اور ان کا استدلال اس آیت سے تھا کہ قُلْ لَا أُجِدُّ فِيهَا أَوْحٰی اٰتٰی مَحْرَمًا عَلٰی طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ اٰلِیَہ اور اسی آیت کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ان چار چیزوں کے سوا جن کو قرآن مجید میں حرام کیا گیا ہے (یعنی سوز، مردار، بہتا ہوا خون اور مَا اٰهْلٌ لِغَيْرِ اللّٰہِ) اور کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ (ملاحظہ ہو احکام القرآن للبخاری جلد سوم ص ۱۰۰) پالتو گدھے کے گوشت کے متعلق ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر بعض خاص وجوہ سے اس کے کھانے سے منع کیا تھا اور یہ ممانعت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ گدھے کا

گوشت مطلقاً حرام ہے۔ (ایضاً ص ۲۱)

درندوں اور شکاری پرندوں کے معاملہ میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب مطلق حرمت کے قائل ہیں۔ امام مالک درندوں کو حرام سمجھتے ہیں مگر شکاری پرندوں مثلاً کرگس، عقاب، گدھ وغیرہ کو حلال قرار دیتے ہیں، خواہ وہ مردار کھانے والے ہوں یا نہیں۔ امام اوزاعی صرف گدھ کو مکروہ سمجھتے ہیں، باقی ہر قسم کے پرندے ان کے ہاں حلال ہیں۔ لیث بلی کو حلال سمجھتے ہیں اور بخیر کو مکروہ۔ امام شافعی کے نزدیک صرف وہ درندے جو انسان پر حملہ کرتے ہیں، یا وہ شکاری پرندے جو انسان کے پالتو جانوروں پر حملہ کرتے ہیں حرام ہیں، بخیر اور لومڑی اس تعریف میں نہیں آتے۔ عکرمہ سے کوئے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ”سرنی مرغی ہے“ اور بخیر کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ ”موٹی دینی ہے“۔ (ایضاً ص ۲۱)

اسی طرح حشرات الارض کے بارے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ حنفیہ تمام حشرات الارض کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ ابن ابی یسلیٰ کہتے ہیں کہ سانپ کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر وہ اس کے ساتھ ذکات (یعنی فیج) کی شرط لگاتے ہیں۔ یہی رائے امام مالک کی بھی ہے، اور امام اوزاعی ذکات کی شرط کو بھی اڑا دیتے ہیں۔ لیث کے نزدیک خارپشت جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک مینڈک جائز ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جن چیزوں سے اہل عرب گھن کھاتے تھے بس وہی حائث ہیں پناخپہ اہل عرب بخیر اور لومڑی کھاتے تھے اس لیے یہ دو حلال ہیں۔ (ایضاً ص ۲۱)

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں نص صریح موجود نہ ہو وہاں استنباط کی بنا پر حلال و حرام کے اختلافات سب فروعی اختلافات ہیں، کسی مسلک فقہی میں برائے اجتہاد کسی چیز کا حرام ہونا ہرگز یہ مستی نہیں رکھتا کہ وہ اصل شریعت الہی میں حرام ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی کسی چیز کو اپنے استنباط کی بنا پر حلال قرار دے تو اس پر بحث تو ضرور کی جاسکتی ہے لیکن یہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ اس پر روئے نکتے کھڑے ہونے لگیں اور تحریف دین یا تحلیل ماحترماً اللہ کے الزامات عائد کیے جانے لگیں

اب میں اُس اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس پر آپ نے یہ سوالات کیے ہیں۔

مجھے حیرت ہے کہ یہ بات آپ نے کہاں سے معلوم کر کے لکھی کہ بدوق سے مرے ہوئے شکار کے

حرام ہونے پر چاروں امام متفق ہیں۔ کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے زمانہ میں بندوق ایجاد ہو گئی تھی؟ ائمہ اربعہ کے متقدمین میں سے کسی اگر وہ پہلا سب ان کے استنباطی مسائل میں سے کسی مسئلہ سے تخریج کرتے ہوئے کوئی حکم نکالتا اور چیز ہے اور خود ائمہ کا کوئی حکم بیان کرنا اور چیز۔ بندوق بہر حال فقہائے متاخرین کے زمانہ میں ایجاد ہوئی تھی اور اس کی ساخت میں تازہ ترین اصولی تغیر تو انیسویں صدی میں ہوا ہے۔ اس کے متعلق اگر کوئی حکم فقہانے بیان کیا بھی ہے تو وہ ائمہ اربعہ کے اجتہادی احکام سے تفریع و تفریع کرتے ہوئے ہی بیان کیا ہوگا، اس پر آخر خواہ مخواہ یہ دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے کہ اس چیز کی حرمت پر ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ میں نے بندوق کے شکار کے حلال ہونے کا مسئلہ جو بیان کیا ہے وہ قاضی شوکانی سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ براہ راست کتاب و سنت سے اخذ کیا ہوا ہے۔ شریعت میں جانوروں کی ذکات (یعنی شرعی طریقہ سے ان کے ذبح) کے جو احکام ہیں ان کو اصولاً دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک قسم کے جانور وہ جو ہمارے قابو میں ہوں اور جن کو ہم مقرر طریقہ کے مطابق ذبح کر سکتے ہوں۔ ان کی شرط ذکات اور ہے اور اسے اصطلاحاً ذکات اختیاری کہا جاسکتا ہے۔ دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جو ہمارے قابو میں نہ ہوں، مثلاً جنگلی جانور، یا وہ اہلی جانور جو بھاگ نکلا ہو اور وحشی کے حکم میں آگیا ہو، یا وہ جانور کہیں گر پڑا ہو اور جس کی شرط ذکات مقرر طریقہ پر ادا نہ کی جاسکتی ہو، یا وہ جانور جو کسی اور سے مرنے کے قریب ہو اور ذبح کے لیے پھری تلاش کرتے کرتے اس کے مرنے کا امکان ہو۔ ایسے تمام جانوروں کی شرط ذکات دوسری ہے اور اسے اصطلاحاً ہم ذکات اصطلاحی لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پہلی قسم کے جانوروں کا مقام ذبح حلق ہے اور ان کو ذبح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی تیز دھاوے والے آئے سے ان کے حلق کو اس حد تک کاٹا جائے کہ نرخرہ اور رگ گلو کھل جائے۔ رہے دوسری قسم کے جانور تو ان کا سارا جسم مقام ذبح ہے، اور کسی چیز سے، خواہ وہ کوئی ہو، ان کے جسم میں اتنا مسبق (Puncture) کر دینا کافی ہے کہ خون بہ جائے۔ اس سلسلہ میں جو نصوص کتاب و سنت سے ہیں ملتی ہیں وہ ترتیباً درج ذیل ہیں:

حلال کر دی گئی۔ پھر اسے لیے ساری پاک چیزیں اور جن

(۱) اُحِلَّ لَكُمْ الْطَيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ

مِنْ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهِ

شکاری جانوروں کو تم نے سداہایا ہر، جن کو تم خدا کے دیے ہوئے علم کی بنا پر شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو، وہ جس جانور کو تمھارے لیے پکڑ رکھیں اس کو تم کھاؤ اور اس پر اللہ

اس سے معلوم ہوا کہ سداہائے ہوئے شکاری جانور کی اگر خدا کا نام لے کر چھوڑا گیا ہو تو اس کے پنجوں اور کھلیوں سے جو زخم و حشی جانور کو لگ جاتا ہے اور جو خون اس طرح نکل جاتا ہے اس سے "اضطراری ذکات" کی شرط پوری ہو جاتی ہے اور اگر ایسا جانور زندہ رہے اور اسے باقاعدہ ذبح نہ کیا جائے، ہو تب بھی وہ حلال ہے (۲) حضرت عائشہ بنی سلمہ سے پوچھا کہ معراض پھینک کر شکار کرتے ہیں، حضور نے جواب دیا "کل ما اخترف وما اصاب بعرضه فقتل فانته وقین فلا تاكله" (متفق علیہ) یعنی اگر وہ پھینکے تو کھا لو لیکن اگر معراض اپنے عرض کی طرف سے جانور کو لگی ہو اور اس سے وہ مر گیا ہو تو وہ چوٹ کھایا ہوا جانور (موقوذہ) ہے، اسے نہ کھاؤ۔

معراض ایک بھاری لکڑی یا عصا کو کہتے ہیں جس کے سرے پر یا تو لوہے کی انی لگی ہوئی ہو یا ویسے ہی لکڑی کو نوکدار بنا دیا گیا ہو۔ اس کی چوٹ سے جسم کے کسی حصہ کا اس حد تک پھٹ جانا یا چھد جانا کہ اس خون بہ جائے، شرط ذکات پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۳) رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کل دشمن سے ہمارا مقابلہ ہے اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں ہیں کہ ہم جانوروں کو ذبح کر سکیں، تو کیا ہم پھٹے ہوئے بانس کی کھچی سے ذبح کر سکتے ہیں؟ حضور نے فرمایا "ما اخترف الدام و ذکر اسم الله فكل، لیست السن والنظر" (متفق علیہ) یعنی خدا کا نام لے کر جس چیز سے بھی خون بہا دیا جائے، ایسے جانور کو کھاؤ، البتہ دانتوں اور ناخنوں سے یہ کام نہ لیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز وہ آگہ نہیں ہے جس سے کام لیا جا رہا ہو، بلکہ شرط ذکات پوری کرنے میں صرف یہ بات معتبر ہے کہ خون بہا دیا جائے۔ اسی کی تائید یہ حدیث کرتی ہے کہ حضرت عائشہ بنی سلمہ نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کسی شخص کو شکار مل جائے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا وہ پتھر کی

دھاریا پھٹی ہوئی لکڑی سے ذبح کر سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "امر الدم بما شئت واذکر اسم اللہ" یعنی خون بہا دو جس چیز سے چاہو اور اللہ کا نام لو!

(۴) ابو نعشہؓ، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا ذبح کا مقام صرف حلق اور لبیدہ ہی نہیں ہے؟" آپؐ نے فرمایا "لو طعنت فی فخذھا کاجزأ عندی" (ترمذی) ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) یعنی اگر تو اس کی ران میں بھی چھو دے تو کافی ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ ایسے جانور کی ذکات ہے جو کسی گڑبہ وغیرہ میں گر گیا ہو، ترمذی کہتے ہیں تمام ضروریات کے موقوفوں کے لیے یہی ذکات ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو جانور ہمارے قابو میں نہیں ہے اس کے جسم کا ہر حصہ مقام ذبح ہے، نیز یہ کہ اصل شے وہ آلہ نہیں ہے جس سے کام لیا جائے، بلکہ صرف جسم کو چھید دینا ہی تاکہ خون بہ جائے۔

(۵) کعب بن مالک کہتے ہیں کہ ہماری بکریاں مقام سلع میں چر رہی تھیں۔ یکایک ہماری نڈی نے دیکھا کہ ایک بکری مرنے کے قریب ہے۔ اس نے فوراً ایک پتھر توڑا اور اسے ذبح کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کی اجازت دی (بخاری) عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ نبی حارثہ میں سے ایک شخص احد کے قریب گھاٹی میں ایک اونٹنی چرا رہا تھا۔ یکایک اس نے دیکھا کہ اونٹنی مر رہی ہے۔ مگر اسے کوئی چیز ایسی نہیں ملی جس سے وہ ذبح کر سکتا۔ آخر اس نے خیمہ گاڑنے کی ایک سیخ لی اور اسے اونٹنی کے پیچھے میں چھو دیا، یہاں تک کہ اس کا خون بہ گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور آپؐ نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔ (ابو داؤد و مؤطا)

ٹوٹے ہوئے پتھر کی دھار تو پھر بھی دھار کی تعریف میں آتی ہے۔ لیکن لکڑی کی نوکدار میخ کو دھار دالنے کی تعریف میں جس حد تک لایا جاسکتا ہے، ظاہر ہے۔

مذکورہ بالا نصوص کو سامنے رکھنے کے بعد بندوق کے مسئلہ پر غور کیجیے۔ بندوق کی کوئی کو غلیل کے ٹھنڈے نعلے پر قیاس کرنا اور اس کی بنا پر یہ سمجھنا کہ اس سے جو جانور مرتا ہے وہ دراصل اُس طرح کی چوٹ کھا کر مرتا ہے جیسی پتھر یا لکڑی کے عرض سے لگتی ہے، صحیح نہیں ہے! گوئی جس قوت سے بندوق سے نکلتی